اسلام کا تصورِ فلاح اور اس کی نوعیت واہمیت

The Concept of Welfare in Islam and its Nature and Importance

Dr. Muhammad Saleem
Associate Professor, Department of Islamic Studies,Government Emerson College, Multan:
saleemhassan089@gmail.com

Dr. Makhdoom Muhammad Roshan Siddiqui
Associate Professor, GC University of Hyderabad:
drmmr1997@gmail.com

Dr.Hariz Muhammad Khalid Shafi
Assistant professor, IBA University Sukkur:
khalidshafi@iba.edu.pk

Abstract

Islam provides comprehensive guidance for the success of individuals as well as Muslim Ummah. *Falah* (success) is a key concept in Islam. This paper explains that *falah* has a comprehensive character. This is a multi-dimensional and value-oriented activity. It covers all aspects of human life. From Islamic point of view *falah* is a both-worldly concept. In this paper, it is tried to explore implications of *falah* in the context of this worldly life. It is concluded that ideal of *falah* can be achieved with collective effort. This is an analytical study which explores the Qur’anic and Hadith teachings to devlop success for human here and hereafter. For this purpose data is gathered from secondary sources; books, article and online sources. The status of neighborly rights in Islamic society is not only limited to moral rights but also includes financial rights. This chain makes the wealthy of a town, city or region responsible for sponsoring the needy while expanding the neighborhood to spread the circle of sponsorship in a coordinated manner. The welfare teachings of Islam are not left only to the mercy of individual and collective conscience, but the Islamic government is responsible for their implementation. Therefore, their implementation was made possible during the era of the Prophet and the Caliphs. Being the goal is also the main goal of the Islamic state. This is the reason why there is a consensus among Muslim jurists about the welfare nature of the Islamic

state. The role of government is very necessary in promoting falah of the people.

Keywords: Welfare, Succes, Falah, Islam, law, Society, Muslim Ummah, Qur’an, Hadith

تعارف:

عصرِ حاضر میں فلاحی ریاستوں میں سماجی بہبود کے اقدامات نے دُنیا کو ان کے تجربات کی طرف متوجہ کیا ہے۔ اِن مغربی معاشروں میں یہ طریقہ رائج ہے کہ وہ زندگی کے کسی ایک شعبہ کو غیر معمولی اہمیت عطا کرکے اس کی قدر (Value) کے مبالغہ آمیز تصور کو اہمیت دیتے ہیں اور بعض دوسری اقدار کو نظر انداز کر دیتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ معاشی بہبود کو ہی سماجی بہبود تصور کر لیا جاتا ہے۔ حالانکہ معاشی بہبود سماجی بہبود کا ایک جزو ہے۔

اسلام نے فلاح کا ایک کثیر الجہتی جامع تصور پیش کیا ہے جو معاشرے میں صرف مادی اقدار کے فروغ کے ساتھ ساتھ اخلاقی اور سماجی اقدار کو بھی مربوط انداز میں مستحکم بنیادوں پر پروان چڑھاتا ہے۔ اسلام معاشی اقدار کی مسلمہ اہمیت کا انکار نہیں کرتا لیکن اسے قدرِ اعلیٰ یا قدرِ کل قرار نہیں دیتا جس کی وجہ سے معاشی، سیاسی، ثقافتی، اخلاقی، مادی، روحانی اور مذہبی اقدار میں ایک توازن قائم ہوتا ہے، جس کے نتیجے میں ایک متوازن اور افراط و تفریط سے پاک معاشرے کا وجود، اس کی بقا اور استحکام ممکن ہوتا ہے۔

فلاح :

اسلام انسان کو ایک ایسی وحدت قرار دیتا ہے جس کے روحانی میلانات اور جسمانی تقاضوں میں تفریق ممکن نہیں۔ اس کی مادی اور غیر مادی ضروریات کو بھی الگ الگ نہیں کیا جاسکتا۔ اسی لیے اسلام سماج کی بہبود کے لئے ایک وسیع اور جامع اصطلاح فلاح استعمال کرتا ہے۔ فلاح کی اصطلاح کا عربی ماخذ ”ف۔ل۔ح“ ہے۔ فَلَحَ یفْلَحُ کے معنی ہیں خوش ہونا، اچھی قسمت، خوش بختی اور کامیابی کا پانا یا کامیابی یا کامیاب ہونا، علامہ راغب اصفہانی کے مطابق فلاح کا لفظ

اسلام کا تصورِ فلاح اور اس کی نوعیت و اہمیت

دونوں جہانوں یعنی دُنیا اور آخرت کا احاطہ کئے ہوئے ہے۔[1] فلاح ہی فرد، معاشرہ اور ریاستی عہدوں پر فائز تمام افراد کی زندگی کا مطمع نظر ہوتا ہے۔ جس کی وجہ سے نصب العین میں ایک ہم آہنگی تشکیل پاتی ہے۔ نصب العین کی یہ ہم آہنگی معاشرے کے تمام افراد کو باہم مربوط رکھتی ہے۔ فلاح کثیر الجہتی اصطلاح ہے جو روحانی، سماجی، سیاسی، معاشی اور ثقافتی پہلوؤں پر مشتمل ہے۔ فلاح دُنیاوی زندگی کے لحاظ سے تین موضوعات سے متعلق ہے:

1. بقا
2. غنا (محتاجی سے بے نیازی)
3. عز (طاقت اور عزت)

1۔ بقا میں انفرادی سطح پر حیاتیاتی بقا مراد ہے جیسے جسمانی صحت اور بیماری سے نجات شامل ہے۔ یعنی ہر شخص کے لئے ضروری ہے کہ جسمانی صحت کا خیال رکھے اور بیماری سے بچاؤ کی ممکنہ تدابیر اختیار کرنا ضروری ہے۔ جبکہ اجتماعی سطح پر فلاح کا تقاضا ہے کہ ایسا معاشرہ وجود میں لایا جائے جس میں صحت مندانہ ماحول اور صحت کی سہولتیں ہر ایک کے لئے میسر ہوں۔

ارشادِ خداوندی ہے:

وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْوَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ[2]

"اور اپنے کپڑے پاک رکھئے اور ناپاکی سے دور رہو۔"

---

[1] اصفہانی، راغب، المفردات فی غرائب القرآن، نور محمد کارخانہ تجارت کتب، کراچی، س ن بذیل "فلاح"۔

2Isfahani, Raghib, Al-Mufardat fi Gharib al-Qur'an, Noor Muhammad Karkhana Trade Books, ."Karachi, San Bazeel "Falah

[2] المدثر: 4-5۔

3..Al-Mudasir: 4-5

اسی طرح معاشی بقا ایک پہلو ہے جو انفرادی سطح پر ذریعہ معاش کا متقاضی ہے جب کہ اجتماعی سطح پر اس کا تقاضا ہے کہ قدرتی ذرائع پیداوار کی تنظیم ایسے عمل میں لائی جائے جس سے ساری آبادی کو کام کرنے کے مواقع مل سکیں۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

كَيْ لَا يَكُوْنَ دُوْلَةًۢ بَيْنَ الْاَغْنِيَاۗءِ مِنْكُمْ[3]

”تاکہ جو لوگ تم میں دولت مند ہیں ان ہی کے ہاتھوں میں نہ پھرتا رہے۔“

بقا کا ایک پہلو سماجی ہے جسے انفرادی سطح پر بھائی چارہ اور باہم حسن سلوک سے یقینی بنایا جاسکتا ہے تو اجتماعی سطح پر پورے معاشرے میں ہم آہنگی اور اندرونی تنازعات کا خاتمہ ضروری ہے۔

سیاسی بقا کے لئے ضروری ہے کہ انفرادی سطح پر ہر شخص آزاد اور خود مختار ہو اور ریاستی معاملات میں شرکت کا اس کا حق تسلیم کیا جانا ضروری ہے جب کہ اجتماعی سطح پر آزاد قوم اس کے نتیجہ میں وجود میں آتی ہے۔

محمد بن ابی بکر امام زادہ لکھتے ہیں:

”ولا يدع فقيرا في ولايته إلا أعطاه، ولا مديون إلا قضى عنه دينه، ولا ضعفا إلا أعانه، ولا مظلوما إلا نصره، ولا ظالما إلا منعه عن الظلم، ولا عاريا إلا كساه كسوة.“[4]

”اسلامی ریاست میں ہر محتاج کو وسائل مہیا کیے جاتے ہیں۔ ہر مقروض کو قرض سے نجات دلائی جاتی ہے۔ ہر کمزور سے تعاون کیا جاتا ہے۔ ہر مظلوم کی مدد کی جاتی ہے۔ ہر ظالم کو ظلم سے روکا جاتا ہے۔ اور ہر بے لباس کو لباس پہنایا جاتا ہے۔“

---

[3] الحشر:71۔

.4. Al-Hashr: 71

[4] امام زادہ، محمد بن ابی بکر، شرح شرعۃ الاسلام، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، بلا تاریخ، ص 511

5. Imamzadeh, Muhammad bin Abi Bakr, Sharh Shariah al-Islam, Dar al-Kitab al-Ilamiya, Beirut, undated, p 511

2۔ محتاجی سے نجات جو کہ فلاح کے لئے دوسرا عنصر ہے اس کا انفرادی سطح پر تقاضا ہے کہ ہر شخص خود انحصاری کی بنیاد پر محنت کر کے کمائے اور اپنی ذات اور اپنے خاندان کی غربت ختم کرنے کی کوشش کرے۔ کاہلی کی وجہ سے دوسروں پر بوجھ نہ بنے۔ اجتماعی سطح پر محتاجی سے نجات کیلئے ضروری ہے کہ تمام آبادی کے لئے معاش کی فراہمی کو یقینی بنایا جائے نیز آنے والی نسلوں کے لئے اسباب تلاش کیے جائیں۔

3۔ فلاح کے حصول کے لئے تیسرا عنصر طاقت اور عزت ہے۔ انفرادی سطح پر اس کا تقاضا ہے کہ ہر شخص کی عزتِ نفس محفوظ ہو۔ شہری آزادیوں، شہریوں کی جان، عزت وغیرہ محفوظ ہونی چاہئے جب کہ اجتماعی سطح پر معاشی طاقت کا حصول، قرضوں سے نجات اور فوجی طاقت کا ہونا ضروری ہے۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ فلاح ایک جامع تصور ہے۔ قرآن مجید میں فلاح کی اصطلاح چالیس مقامات پر استعمال ہوئی ہے۔ قرآن نے فلاح کے حصول کیلئے بعض امور کے سرانجام دینے اور بعض امور سے باز رہنے کا حکم دیا ہے۔ جیسا کہ قرآن مجید میں ارشاد ہے:

‹قَدْاَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝١ۙ الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ صَلَاتِهِمْ خٰشِعُوْنَ ۝٢ۙ وَالَّذِيْنَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ
مُعْرِضُوْنَ ۝٣ۙ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِلزَّكٰوةِ فٰعِلُوْنَ ۝٤ۙ›[5]

"تحقیق مومنوں نے فلاح پائی وہ جو اپنی نمازوں میں خشوع اختیار کرتے ہیں، لغو سے اعراض کرتے ہیں اور وہ زکوٰۃ ادا کرتے ہیں۔"

جہاں لغو کاموں سے منع کیا گیا ہے وہیں زکوۃ کی ادائیگی کا حکم دیا گیا ہے۔ فلاح کے بارے میں ان اوامر و نواہی کو چار حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے:

1۔ روحانی

2۔ معاشی

---

[5] ۔ المومنون 1 تا 4

.6. Al-Mu'minun 1-4

3۔ ثقافتی

4۔ سیاسی

گویا اسلام میں خالص معاشی اقدار کے علاوہ دوسری قدریں بھی اپنا وجود رکھتی ہیں جن کی اہمیت کو ملحوظ رکھا گیا ہے۔ جب لوگوں کے درمیان مالی وسائل یا آمدنی کے اعتبار سے تفاوت پایا جاتا ہے تو اسلام اِن غیر معاشی اقدار کو سماج میں عدل و توازن قائم رکھنے کا ذریعہ بناتا ہے۔ یہاں وہ مالی تفاوت مراد ہے جو مختلف اور فطری استعداد و صلاحیت جیسے معقول اسباب پر مبنی ہے۔

اسلام میں مال کی اہمیت کو تسلیم کیا گیا ہے۔ حضور اکرم ﷺ کی یہ حدیث مبارکہ اُمتِ مسلمہ کو اسی طرف متوجہ رکھتی ہے:

«كَادَ الْفَقْرُ اَنْ يَّكُوْنَ كُفْرًا»[6]

"گویا غربت انسان کو کفر کی طرف لے جانے کا ذریعہ ہے۔"

اسلام مال و دولت کو قدرِ اعلیٰ یا قدرِ کل قرار نہیں دیتا اور باقی اقدار کو اس کے تابع نہیں کرتا۔ یہی وجہ ہے کہ جہاں اسلام ہر شخص کی بنیادی ضروریات کی نگہبانی کرتا ہے اور صاحبِ ثروت لوگوں سے محروم لوگوں کو حق دلواتا ہے۔

ارشادِ ربانی ہے:

‹وَفِيْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّاۗىِٕلِ وَالْمَحْرُوْمِ ۝١٩›[7]

"ان کے مالوں میں سائل اور محروم لوگوں کا حق ہے"۔

---

[6] تبریزی، خطیب، مشکوٰۃ المصابیح، دارالفکر بیروت لبنان، 1411ھ، کتاب الآداب، باب ماینھی عنہ من التھاجر، 5051

7. Tabrizi, Khatib, Mishkut al-Masabih, Dar al-Fikr, Beirut, Lebanon, 1411 AH, Kitab al-Adab, Chapter Mainhi Anhu Min al-Thajr, 5051

[7] الذاریات 19

8. Al-Zariyat 19

.

وہیں اسلام ہر شخص کو بنیادی ضروریات کی فراہمی کے بعد مسابقت کے میدان میں بھی انہیں آزاد نہیں چھوڑتا بلکہ وہاں بھی اقتصادی اقدار کے علاوہ دوسری اقدار کو اہمیت دی گئی ہے۔ جس کی وجہ سے سماج میں عدل وانصاف اور توازن وہم آہنگی پیدا کرنا اسلام کے لئے نسبتاً زیادہ آسان ہے۔ کیونکہ انسانی زندگی کے بارے میں اس کا نقطہ نظر جامع بھی ہے اور وسیع بھی۔ اسلام معاشی اور مادی اقدار اپر آکر رُک نہیں جاتا بلکہ ایسی تمام اقدار کو اپناتا ہے جن سے انسانوں کی فلاح وابستہ ہے۔

عصرِ حاضر میں سماجی بہبود کے حصول کے لئے سوشل سیکورٹی کا تصور مقبول ہوا ہے جو کہ صنعتی انقلاب کی پیداوار ہے۔ ان معاشروں میں جہاں یہ مخصوص پس منظر سے اُبھرا ہے وہاں فرد کی آزادی اور مساوات کی اقدار میں ٹکراؤ پایا جاتا ہے۔ جب کہ اسلام میں ان دونوں اقدار کی اہمیت مسلمہ ہے۔ لیکن اسلام ان دونوں کو بے قید و بے لگام نہیں چھوڑتا ایک طرف سماج کا مفاد اور اس کا حق ہے تو دوسری طرف انسانیت کے مصالح اور اس کے تقاضوں کو ملحوظ رکھنا ضروری ہے۔ اس کے ساتھ ہی دین کے بلند تر مفاد کی قدر و قیمت بھی آنکھوں سے اوجھل نہیں ہوتی۔ اس لئے اسلام انفرادی آزادی کے بالمقابل انفرادی ذمہ داری کے اصول کو پیش کرتا ہے اور اس کے پہلو میں اجتماعی ذمہ داری کو جگہ دیتا ہے۔ جس کا بار فرد اور جماعت دونوں پر ہے۔ اسی ذمہ داری کو بعض مسلم مفکرین اجتماعی تکافل یا ضمان العیش کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔[8]

فلاح کے اہم تقاضے کے طور پر اسلام کا نظامِ تکافل تشکیل پاتا ہے۔ اسلام کے اس اصول تکافل کی یہ خوبی ہے کہ فرد اور اس کے قرابت داروں، فرد اور ہمسایہ افراد، فرد اور لیبر مارکیٹ، امیر اور غریب افراد کے درمیان تعلق، فرد اور جماعت یا فرد اور معاشرے، فرد اور ریاست کے درمیان تعلقات کو باہم مربوط طریقے سے پیش کرتا ہے۔ اسی طرح آگے چل کر ایک قوم اور دوسری اقوام، موجودہ نسل اور آنے والی نسلوں کے درمیان ربط کو تقویت دیتا ہے جس کے نتیجے میں ذمہ دار افراد، ذمہ دار معاشرہ، ذمہ دار قوم اور ذمہ دار ریاست وجود میں آتی ہے۔

---

[8]. S.M. Yusuf. Dr, Economic Justice in Islam, Sh. Muhammad Ashraf, Lahore, 1977, P:59.

اسلام کے عطا کردہ تصور فلاح کے تحت ہر شخص حتی المقدور کسبِ معاش کا پابند ہے۔ بلا عذر شرعی تساہل، غفلت اور کاہلی کی زندگی بسر کرنے کی اجازت نہیں ہے۔ کیونکہ معاشرہ افراد سے تشکیل پاتا ہے۔ سماجی بہبود کے حصول کے لئے قرآن حکیم اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کی طرف راغب کرتا ہے۔ یہ اسی صورت میں ممکن ہو سکتا ہے جب افرادِ معاشرہ حتی المقدور اپنی تمام تر توانائیوں کو رزقِ حلال کے حصول کے لئے بروئے کار لائیں۔ ایک فلاحی معاشرے کے حصول کے لئے ابتغاء رزق کی ذمہ داری اور اہمیت کو قرآن میں بیان کیا گیا ہے:

‹فَاِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوْا فِي الْاَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ›[9]

”پھر جب نماز ادا ہو چکے تو زمین میں منتشر ہو جاؤ اور (پھر) اللہ کا فضل (یعنی رزق) تلاش کرنے لگو“۔

اسی طرح احادیثِ نبوی ﷺ میں بھی کسب معاش کی اہمیت بیان کیا گیا ہے جیسے کہ ارشادِ نبوی ﷺ ہے:

«طَلَبُ كَسْبِ الْحَلَالِ فَرِيضَةٌ بَعْدَ الْفَرِيضَةِ»[10]

”حلال کمائی کی طلب فرائض کی ادائیگی کے بعد اہم فریضہ ہے“۔

اسلام معاشرے کے ہر فرد سے یہ مطالبہ کرتا ہے کہ اتنا بڑا کارخانۂ قدرت صرف اس کے لئے حرکت و عمل میں مصروف ہے

هُوَ الَّذِي خَلَقَ لَكُم مَّا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا› ”وہی تو ہے جس نے سب چیزیں جو زمین میں ہیں تمہارے لیے پیدا کیں۔ ‘[11]

---

[9] الجمعہ:10۔

10.Al-Jummah10.

[10] البیہقی، ابو بکر احمد بن الحسین علی، السنن الکبریٰ، نشر السنۃ ملتان، س ن، 128,6، رقم 11475۔

11. Al-Bayhaqi, Abu Bakr Ahmad bin Al-Hussein Ali, Sunan al-Kubra, Nashr al-Sunnah Multan, Sun, 128, 6 amount 11475..

12۔ البقرة : 29

12. [Al-Baqarah: 29] “He is the One who has created for you all the things that ”.are inscribed on the Zimanar

تو اس پر بھی یہ فریضہ عائد ہوتا ہے کہ وہ بھی محنت سے گریز کی بجائے قرب و جوار میں چل پھر کر اپنی روزی خود تلاش کرے۔ کیونکہ یہ بنیادی عقلی تقاضا ہے، جبکہ عقل سلیم اور شریعت اسلامیہ کے مابین تائید باہمی کا رشتہ ہے۔ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

"اعْلَم أَن الْعقل لن يَهْتَدِي إِلَّا بِالشَّرْعِ وَالشَّرْع لم يتَبَيَّن إِلَّا بِالْعقلِ فالعقل كالأس وَالشَّرْع كالبناء وَلنْ يُغني أس مَا لم يكن بِنَاء وَلنْ يثبت بِنَاء مَا لم يكن أسوَأَيْضًا فالعقل كالبصر وَالشَّرْع كالشعاع وَلنْ يُغني الْبَصَر مَا لم يكن شُعَاع من خَارج وَلنْ يُغني الشعاع مَا لم يكن بصر .... وَأَيْضًا فالعقل كالسراج وَالشَّرْع كالزيت الَّذِي يمده فَمَا لم يكن زَيْت لم يحصل السراج وَمَا لم يكن سراج لم يضىء الزَّيْت." [12]

"عقل، شریعت کے بغیر ہدایت نہیں پاتی اور شریعت عقل کے بغیر واضح نہیں ہوتی۔ عقل بنیاد کی مانند ہے اور شریعت عمارت کی مانند، اور بنیاد عمارت کے بغیر کوئی فائدہ نہیں دیتی اور عمارت اساس کے بغیر قائم نہیں رہ سکتی۔ عقل بینائی اور شریعت روشنی کی مانند ہے۔ بینائی کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتی جبکہ باہر روشنی نہ ہو اور روشنی کوئی فائدہ نہیں دے سکتی جب تک بینائی نہ ہو۔ عقل چراغ کی مانند ہے اور شریعت اس تیل کی مانند ہے جو اسے تقویت دیتا ہے۔ جب تک تیل نہ ہو، چراغ نہیں جل سکتا اور جب تک چراغ نہ ہو، تیل روشنی نہیں کر سکتا۔"

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

‹هُوَالَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ ذَلُوْلًا فَامْشُوْا فِيْ مَنَاكِبِهَا وَكُلُوْا مِنْ رِّزْقِهٖ › [13]

"وہ ایسا منعم ہے جس نے تمہارے لئے زمین کو مسخر کیا، سو تم اس کے راستوں میں چلو پھرو اور اللہ کی روزی میں سے جو (زمین میں پیدا کی ہے) کھاؤ پیو"۔

---

[12] الغزالي، أبو حامد محمد بن محمد الطوسي (المتوفى: 505ھ)، معارج القدس في مدراج معرفة النفس، دار الآفاق الجديدة – بيروت، الطبعة: الثانية، 1975م، ص:57

13. Al-Ghazali, Abu Hamid Muhammad bin Muhammad al-Tusi (died: 505 AH), Ma'araj al-Quds fi Madaraj al-Nafs, Dar al-Afaq al-Jadaiba - Beirut, second edition, 1975 AD, p: 57

[13] الملک:15۔

14.Al-Mulk15.

کفالت:

فلاح کا حصول کفالتِ عامہ کے بغیر ممکن نہیں ہے۔ معاشرے میں سماجی فلاح و بہبود کو یقینی بنانے اور غرباء کو فقر وناداری سے نجات دلانے کے لئے اسلام نے انتہائی مثبت اور راست کاروائی یہ کی کہ اس نے خاندان کے تمام افراد کو متحدہ اکائی قرار دیا ہے۔ گویا فرد اور اس کے خاندان کے قریبی رشتہ داروں کے درمیان بھی تکافل کا اصول کارفرما ہے۔

قرآن مجید میں ارشاد ہے:

﴿وَالْوَالِدٰتُ يُرْضِعْنَ اَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ لِمَنْ اَرَادَ اَنْ يُّتِمَّ الرَّضَاعَةَ ۭ وَعَلَي الْمَوْلُوْدِ لَهٗ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ۭ﴾[14]

”وہ مائیں اپنے بچوں کو دو سال کامل دودھ پلایا کریں۔ یہ مدت اس کے لئے جو شیر خوارگی کی تکمیل کرنا چاہے اور جس کا بچہ ہے (یعنی باپ) اس کے ذمہ ہے ان ماؤں کا کھانا اور کپڑا قاعدے کے موافق۔“

اس آیت کریمہ میں واضح کر دیا گیا کہ بچے اور اس کی ماں کا کھانا اور کپڑا فراہم کرنا بچے کے باپ کی ذمہ داری ہے۔

اسی طرح اولاد کو ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک کی تاکید کرتے ہوئے آپ ﷺ نے فرمایا:

«أُمَّکَ وَأَبَاکَ وَأُخْتُکَ وَأَخَاکَ وَمَوْلَاکَ الَّذِیْ یَلِیْ ذَالِکَ حَقًّا وَاجِبًا وَرَحِمًا مَوْصُوْلَةً»[15]

”تمہارے ماں، باپ، بھائی، بہن اور زر خرید غلاموں کے بہت سارے حقوق تمہارے ذمہ عائد ہوئے ہیں۔ اس لئے تمہیں ان کے ساتھ صلہ رحمی کا برتاؤ کرنا چاہئے“۔

---

[14] البقرة: 233۔

.. Al-Baqarah: 233

[15] ابن قیم الجوزیہ، ابو بکر عبداللہ محمد بن ابی بکر، زاد المعاد، فی ھدی خیر العباد، دارالکتب العربیہ بیروت لبنان، ج5، ذکر حکم رسول اللہ ﷺ الموافق لکتاب اللہ تعالیٰ من وجوب النفقة للاقارب، ص225۔

16. Ibn Qayyim al-Jawziyya, Abu Bakr Abdullah Muhammad bin Abi Bakr, Zad .al-Ma’ad, Fi Hadi Khair al-Abad, Dar al-Kitab al-Arabiya, Beirut, Lebanon, Vol

یہ تمام رشتے اور تعلقات ایک خاندان کے مختلف افراد کو باہم جوڑتے ہیں اور ان سب کو ملا کر ایک وحدت بناتے ہیں جو نسل در نسل غم یا خوشی دونوں میں ایک دوسرے کے شریک اور ساتھ ہوتے ہیں۔ اسلام میں خاندانی کفالت باہمی کے مظاہر میں سے ایک اہم مظہر دولت کا توارث ہے۔ اسلام کا نظام وراثت خاندان کی فضا میں محنت و معاوضہ اور حقوق و فرائض کے باہمی توازن کا ذریعہ بنتا ہے۔ کسی باپ کا یہ سمجھ کر محنت کرنا کہ اس کی محنت کا پھل اس مختصر زندگی تک محدود نہ رہے گا اور اس کی آنے والی نسلوں کو بھی فائدہ پہنچانے کا ذریعہ بنے گا اسے محنت کی مزید رغبت دلاتا ہے۔ اس طرح وہ اپنی پوری کوشش صرف کر کے زیادہ پیدا کرتا ہے کہ اس میں اس کا بھی بھلا ہے اور پوری انسانیت کا بھی۔

کفالت و فلاح عامہ کا یہ وہ گہرا احساس تھا جو خلفائے اسلام کو ہر وقت متفکر رکھتا تھا۔ حضرت عمر بن عبد العزیز کے بارے میں ابن اثیر نے لکھا ہے:

”قَالَتْ فَاطِمَةُ امْرَأَتُهُ: دَخَلْتُ عَلَيْهِ وَهُوَ فِي مُصَلَّاهُ وَدُمُوعُهُ تَجْرِي عَلَى لِحْيَتِهِ، فَقُلْتُ: أَحَدَثَ شَيْءٌ؟ فَقَالَ: إِنِّي تَقَلَّدْتُ أَمْرَ أُمَّةِ مُحَمَّدٍ، فَتَفَكَّرْتُ فِي الْفَقِيرِ الْجَائِعِ، وَالْمَرِيضِ الضَّائِعِ، وَالْغَازِي، وَالْمَظْلُومِ الْمَقْهُورِ، وَالْغَرِيبِ الْأَسِيرِ، وَالشَّيْخِ الْكَبِيرِ، وَذِي الْعِيَالِ الْكَثِيرِ، وَالْمَالِ الْقَلِيلِ، وَأَشْبَاهِهِمْ فِي أَقْطَارِ الْأَرْضِ، فَعَلِمْتُ أَنَّ رَبِّي سَيَسْأَلُنِي عَنْهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، وَأَنَّ خَصْمِي دُونَهُمْ مُحَمَّدٌ، صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، إِلَى اللَّهِ، فَخَشِيتُ أَنْ لَا تَثْبُتَ حُجَّتِي عِنْدَ الْخُصُومَةِ، فَرَحِمْتُ نَفْسِي فَبَكَيْتُ.“[16]

”ان کی بیوی فاطمہ کہتی ہیں کہ میں ایک بار آپ کے پاس گئی تو آپ جائے نماز پر تھے اور آنسوؤں سے آپ کی داڑھی تر تھی۔ میں نے پوچھا: کیا کوئی نئی بات ہو گئی ہے؟ آپ نے فرمایا: میں نے پوری امت محمدیہ کی ذمہ

---

[16] ابن الأثير، أبو الحسن علي بن أبي الكرم محمد بن محمد بن عبد الكريم بن عبد الواحد الشيباني الجزري، عز الدين (المتوفى: 630ھ)، الكامل في التاريخ، دار الكتاب العربي، بيروت–لبنان، الطبعة: الأولى، 1417ھ/ 1997م، ج:4، ص119.

17. Ibn al-Athir, Abu al-Hasan Ali ibn Abi al-Karam Muhammad ibn Muhammad ibn Abd al-Karim ibn Abd al-Wahid al-Shaybani al-Jazari, Izz al-Din (died: 630 AH), Al-Kamil fi al-Tarikh, Dar al-Kitab al-Arabi, Beirut-Lebanon, Edition: Al-Awlah, 1417 AH / 1997 AD, Vol. : 4, p 119.

داری لے لی ہے۔ لہٰذا میں نے بھوکے فقیروں، بے سہارا مریضوں، مجاہدین، مظلوم اور ستم رسیدہ افراد، غریب الدیار قیدیوں، بہت بوڑھے افراد اور ان لوگوں کے بارے میں سوچ رہا تھا جو بکثرت اہل و عیال والے ہیں، مگر مالدار نہیں ہیں اور مختلف علاقوں کے بسنے والے اس قسم کے دوسرے افراد کے بارے میں متفکر تھا۔ مجھے احساس ہوا کہ عنقریب قیامت کے اللہ مجھ سے ان کے بارے میں پوچھے گا اور اللہ کے حضور میرے مقابلہ میں ان لوگوں کے وکیل محمد ﷺ ہوں گے۔ مجھے ڈر لگا کہ جرح میں میری بات ثابت نہ ہو سکے گی تو میں اپنی جان پر ترس کھا کر رونے لگا۔“

فلاح کا یہ عمل اسلام میں انسانی موت تک ممتد فرمایا گیا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

‹كُتِبَ عَلَيْكُمْ اِذَا حَضَرَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ اِنْ تَرَكَ خَيْرَا ۨ الْوَصِيَّةُ لِلْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ بِالْمَعْرُوْفِ›[17]

”تم پر فرض کیا گیا ہے کہ جب تم میں سے کسی کی موت کا وقت آئے اور وہ اپنے پیچھے مال چھوڑ رہا ہو تو والدین اور رشتہ داروں کے لئے معروف طریقے سے وصیت کرے“۔

یہ تمام صراحتیں بتاتی ہیں کہ عام انسانوں کے مقابلے میں رشتہ داروں کے حقوق کو سب سے زیادہ اہمیت اور فوقیت اس لئے حاصل ہے کہ ان کا آپس میں گہرا رشتہ حسنِ سلوک کا متقاضی ہے۔ عقل و قیاس کی رُو سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ اگر کسی رشتہ دار کے مرنے پر اس کا دوسرا رشتہ دار میت کی دولت سے زندگی کے دِن چین سے گزار سکتا ہے تو انصاف کا تقاضا ہے کہ اس کے اپاہج یا مجبور ہونے کی صورت میں اس کی کفالت کی جائے۔ اس کی مشکلات کو حل کیا جائے تاکہ یہ مالی اعانت و کفالت اس وراثت کا عوض بن سکے۔

اسی طرح کفالت کا دائرہ پڑوسیوں کے تعلقات کو بھی آپس میں جوڑنے کا ذریعہ بنتا ہے۔ پڑوسی کے حقوق کی تاکید کے بارے میں آنحضرت ﷺ کا ارشادِ مبارکہ ہے:

مَا زَالَ جِبْرِيلُ يُوصِينِي بِالْجَارِ حَتَّى ظَنَنْتُ أَنَّهُ سَيُوَرِّثُهُ ۔[18]

---

[17] ۔ البقرۃ 180

Al-Baqarah 180.

[18] ۔ البخاری، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، دار القلم بیروت، لبنان 1987ء، کتاب الآداب، باب الوصاءۃ بالجار 6015۔

19. Al-Bukhari, Muhammad bin Ismail, Al-Jami’ al-Sahih, Dar al-Qalam, Beirut, Lebanon 1987, Kitab al-Adaab, Chapter Al-Wasa’at Baljar: 6015.

”حضرت جبرائیل علیہ السلام نے پڑوسی کے حقوق ادا کرنے کی مجھے اس قدر تاکید کی کہ مجھے خیال آیا کہ کہیں اسے وراثت میں حصہ نہ دینا پڑے“۔

اس حدیثِ مبارکہ میں وراثت میں حصہ دار بنائے جانے کا امکان اس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ پڑوسیوں کے حقوق کی حیثیت صرف اخلاقی حقوق کی نہیں بلکہ مالی حقوق بھی اس میں شامل ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ مومن اپنے بھوکے پڑوسی سے بے نیاز ہو کر اس کے پہلو میں سُکھ کی نیند سو نہیں سکتا۔ ارشادِ نبوی ﷺ ہے:

لَيْسَ بِمُؤْمِنٍ مَنْ بَاتَ شَبْعَانَ وَجَارُهُ اِلٰى جَنْبِهِ جَائِعٌ وَهُوَ يَعْلَمُ۔[19]

”وہ آدمی مومن نہیں جو رات میں شکم سیر ہو کر سو رہے اور اس کے قریب کا پڑوسی یونہی بھوکا رہے حالانکہ اسے معلوم ہے“۔

کفالتِ عامہ فلاح کی اہم غرض و غایت ہے۔ اس تصورِ کفالت کی وضاحت حضرت حسن بصری کے اس فرمان سے بخوبی ہو جاتی ہے جس میں پڑوس کے دائرے کو وسیع کیا گیا ہے۔

أَنَّهُ سُئِلَ عَنِ الْجَارِ، فَقَالَ: أَرْبَعِينَ دَارًا أَمَامَهُ، وَأَرْبَعِينَ خَلْفَهُ، وَأَرْبَعِينَ عَنْ يَمِينِهِ، وَأَرْبَعِينَ عَنْ يَسَارِهِ. [20]

”ان سے سوال کیا گیا کہ پڑوسی سے کیا مراد ہے (جسے بھوکا نہ رہنے دینے کا حکم ہے)۔ آپؒ نے فرمایا:
”چالیس گھر سامنے، چالیس گھر پیچھے، چالیس گھر دائیں اور چالیس گھر بائیں“۔

---

[19] ۔ ایضاً۔۔۔ کتاب البر والصلۃ، 2909:7

Also. Kitab al-albar wal salat, 2909:7

[20] البخاري، محمد بن إسماعيل بن إبراهيم بن المغيرة (المتوفى: 256ھ)، الأدب المفرد، دار البشائر الإسلامية – بيروت، الطبعة: الثالثة، 1409–1989، ص 51، رقم 109

Al-Bukhari, Muhammad bin Ismail bin Ibrahim bin al-Mughira (died: 256 AH), Al-Adab al-Mufard, Dar al-Bashair al-Islamiyya – Beirut, edition: 3rd, 1409 – 1989, p 51, number 109

اس فرمان سے ہر شخص کے لئے اس کی حسبِ استطاعت دائرہ کفالت کا تعین ہوتا ہے کہ اگر اس کے بالکل ساتھ والا ہمسایہ ضرورت مند نہیں ہے تو اس کی کفالت کی ذمہ داری ختم نہیں ہو جاتی بلکہ اسے اس قدر دور تک ذمہ داری نبھانی چاہئے۔

اسی طرح کفالت کا دائرہ باہم مربوط طریقے سے وسعت پکڑتے ہوئے بستی تک پہنچتا ہے۔ کفالتِ عامہ میں آیاتِ قرآنی اور احادیثِ مبارکہ کو دلیل میں پیش کرتے ہوئے ابن حزمؒ (م456ھ) فرماتے ہیں:

فُرِضَ عَلَى الْأَغْنِيَاءِ مِنْ أَهْلِ كُلِّ بَلَدٍ أَنْ يَقُومُوا بِفُقَرَائِهِمْ، وَيُجْبِرُهُمُ السُّلْطَانُ عَلَى ذَلِكَ، إنْ لَمْ تَقُمْ الزَّكَوَاتُ بِهِمْ، وَلَا فِي سَائِرِ أَمْوَالِ الْمُسْلِمِينَ، فَيُقَامُ لَهُمْ بِمَا يَأْكُلُونَ مِنْ الْقُوتِ الَّذِي لَا بُدَّ مِنْهُ، وَمِنْ اللِّبَاسِ لِلشِّتَاءِ وَالصَّيْفِ بِمِثْلِ ذَلِكَ، وَبِمَسْكَنٍ يَكُنُّهُمْ مِنْ الْمَطَرِ، وَالصَّيْفِ وَالشَّمْسِ، وَعُيُونِ الْمَارَّةِ.[21]

”ہر ایک بستی کے اربابِ دولت کا فرض ہے کہ وہ فقراء اور غرباء کی معاشی زندگی کے کفیل ہوں اور اگر ان کی زکوٰۃ اور بیت المال کی آمدنی سے ان غرباء کی معاشی کفالت پوری نہ ہوتی ہو تو سلطان (حاکمِ وقت) ان اربابِ دولت کو اِس کفالت کے لئے مجبور کر سکتا ہے (یعنی زندگی کے اسباب کے لئے کم از کم یہ انتظام ضروری ہے کہ) ان کی ضروری حاجت کے مطابق روٹی مہیا ہو، پہننے کے لئے گرمی اور سردی دونوں موسموں کے لحاظ سے لباس فراہم ہو اور رہنے کے لئے ایک ایسا مکان ہو جو ان کو بارش، گرمی، دھوپ اور راہ گیروں کی نظروں سے محفوظ رکھ سکے“۔

ابن حزمؒ کے اس فرمان سے درج ذیل نکات واضح ہوتے ہیں۔

1. کسی بھی بستی، شہر یا علاقہ کے اربابِ دولت حاجت مندوں کی کفالت کے ذمہ دار ہیں۔
2. اس ذمہ داری کی نوعیت محض ترغیب اور وعظ و نصیحت تک محدود نہیں بلکہ حکمران تادیبی اقدامات کرنے کا مجاز ہے۔

---

[21] ابن حزم، المحلی، مطبعہ النھضہ مصر 1347ھ، 156:6۔

Ibn Hazm, al-Mahli, Mutaba al-Nahdah Misr 1347 AH, 156:6.

3. بنیادی ضروریات زندگی کا تعین کر دیا گیا ہے۔

کفالتِ عامہ کی یہ ذمہ داری کسی گلی محلہ، قریہ، شہر یا ملک تک محدود نہیں بلکہ اہل دولت کی استطاعت اس کی وسعت کی بنیاد ہے اور حسبِ استطاعت قیامت کے دن اُس کی باز پرس کی جائے گی۔

حضرت علیؓ فرماتے ہیں:

إنَّ اللَّهَ تَعَالَى فَرَضَ عَلَى الْأَغْنِيَاءِ فِي أَمْوَالِهِمْ بِقَدْرِ مَا يَكْفِي فُقَرَاءَهُمْ. فَإِنْ جَاعُوا أَوْ عَرُوا وَجَهَدُوا فَمَنَعَ الْأَغْنِيَاءُ، وَحَقٌّ عَلَى اللَّهِ تَعَالَى أَنْ يُحَاسِبَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، وَيُعَذِّبَهُمْ عَلَيْهِ.[22]

"اللہ تعالیٰ نے اغنیاء پر فرض کیا ہے کہ وہ اپنے اموال میں سے اتنا مال فقراء پر خرچ کریں کہ جس سے ان کی ضرورت پوری ہو جائے۔ اگر اغنیاء کے مال نہ دینے کی وجہ سے وہ بھوکے ننگے اور زیادہ محنت پر مجبور ہوں تو اللہ اُن کا روزِ قیامت شدید محاسبہ کرے گا اور انہیں عذاب دے گا"۔

یعنی بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے دولت مندوں کے مال پر ان کے غریبوں کی معاشی حالت کو بدرجہ کفایت پورا کرنا فرض کر دیا ہے۔

ابن حزمؒ حضرت علیؓ کے اس قول کی قانونی حیثیت پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

وَيُجْبِرُهُمْ السُّلْطَانُ عَلَى ذَلِكَ.[23]

"سربراہِ ریاست اربابِ دولت کو غرباء کی معاشی کفالت کے لئے مجبور کر سکتا ہے"۔

سماجی فلاح و بہبود اور سماجی تحفظ کے درج بالا تمام انتظامات کو سامنے رکھا جائے تو واضح ہوتا ہے کہ اگر کوئی فرد کسی وجہ سے انتظامات کے باوجود اس حال میں پایا جائے کہ وہ اپنی بنیادی ضروریاتِ زندگی سے محروم ہو تو بالآخر اسلامی ریاست اس بات کی ذمہ دار ہے کہ وہ فرد ان وسائل حیات سے محروم نہ رہے جو ضروریات زندگی کی

---

[22] ایضاً 158:6

.Ibid, 158:6

[23] ابن حزم، المحلی، مطبعہ النہضہ مصر 1347ھ، 156:6

Ibn Hazm, al-Mahli, Mutaba al-Nahdah Misr 1347 AH, 156:6.

تکمیل کے لئے درکار ہیں۔ ریاست کو ایسا انتظام قائم کرنا پڑے گا کہ محروم افراد بآسانی اور بلا تاخیر اجتماعی خزانے سے بقدر ضرورت مال حاصل کر سکیں اور اسلامی ریاست کو کوئی فرد بھوکا، پیاسا، ننگا، بے ٹھکانا اور مرض کی حالت میں بے علاج نہ رہے۔

آنحضور ﷺ نے اسلامی ریاست کے حکمران کے طور پر مرنے والے لوگوں کی چھوڑی ہوئی ذمہ داریوں جیسے بے سہارا اہل و اولاد کی کفالت کے بارے میں یہی اعلان فرمایا تھا:

مَنْ تَرَكَ مَالًا فَلِوَرَثَتِهِ، وَمَنْ تَرَكَ ضَيَاعًا فَإِلَيَّ»هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ ..... مَعْنَى ضَيَاعًا: ضَائِعًا لَيْسَ لَهُ شَيْءٌ، فَأَنَا أَعُولُهُ وَأُنْفِقُ عَلَيْهِ. [24]

”جو مال چھوڑ جائے تو وہ مال اس کے گھر والوں کے لئے ہے اور جو (کسی کو) بے سہارا چھوڑ جائے تو اس کی ذمہ داری میرے سر ہو گی“۔

(امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ) یہ حدیث حسن اور صحیح ہے--۔ «**ترك ضياعا**» کے معنی یہ ہیں کہ اس حال میں چھوڑ جائے کہ اس کے پاس کچھ بھی نہ ہو «**فَإِلَيَّ**» کے معنی یہ ہیں کہ میں اس کی کفالت کروں گا اور اس پر مال خرچ کروں گا۔

گویا باہمی کفالت کی تعلیم جو اسلامی تعلیمات اپنے مزاج سے واضح کرتی ہیں صرف انفرادی اور اجتماعی وجدان کے رحم و کرم پر نہیں چھوڑ دی گئی۔ حکومت اس کے نفاذ اور عملی جامہ پہنانے کی ذمہ دار تھی۔

موجودہ دور میں اجتماعی بیمہ (Social Insurance) کو اقتصادی تحفظ کا ایک اہم ذریعہ سمجھا جاتا ہے اگرچہ اس نام سے یہ خلفائے راشدین کے دور میں موجود نہیں تھا۔ لیکن اجتماعی ذمہ داری کی تکمیل کی کئی شکلیں خلفائے راشدین کے ہاں رائج تھیں۔ جیسے کہ حضرت عمرؓ نے 20ھ میں حکومت کا ایک خاص محکمہ قائم فرمایا تھا جس کا

---

[24] ۔ الترمذی، ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ، الجامع، دارِ احیاء التراث العربی بیروت لبنان 1995ء، ابواب الفرائض، باب ماجاء من ترک مالا فلو رثتہ: 2090۔

Al-Tirmidhi, Abu Isa Muhammad bin Isa, Al-Jami, Dar-i-Ihya Al-Tarath Al-Arabi, Beirut, Lebanon, 1995, Chapters of Al-Farayz, Chapter Maja’ from Turk Ma La Flow: 2090.

نام دیوان تھا۔ اس کا مقصد یہ ہوتا تھا کہ مردم شماری کرائے۔ پھر اس مردم شماری کو بنیاد بنا کر درج ذیل قسم کے شہریوں کے لئے سالانہ وظائف مقرر ہوتے تھے۔

1. بیوہ عورتیں اور یتیم بچے
2. وہ تمام افراد جو رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں جہاد میں مصروف تھے۔ مثلاً ازواج مطہرات، بدری صحابہ اور ابتدائی مہاجرین۔
3. تمام اپاہج، بیمار اور بوڑھے۔

اس منصوبہ کے مطابق کم از کم وظیفہ اڑھائی سو درہم (65 تولے سات ماشے اور نصف رتی چاندی تقریباً 12000 روپے سالانہ) تھا۔[25]

اسی طرح بچوں کے والدین کو بچوں کا باقاعدہ وظیفہ مقرر کر کے عطا کیا گیا اور یہ بالغ ہونے تک ان کو ملتا تھا۔

حضرت عمرؓ نے زندگی کے آخری سال میں کئی مرتبہ فرمایا:

وَاللَّهِ لَئِنْ بَقِيتُ لَيَأْتِيَنَّ الرَّاعِيَ بِجَبَلِ صَنْعَاءَ حَظُّهُ مِنْ هَذَا الْمَالِ وَهُوَ مَكَانُهُ.[26]

”اللہ کی قسم! اگر میں زندہ رہا تو اس مال میں سے صنعاء پہاڑ میں بسنے والے چرواہے کو اپنے مقام پر اس کا حصہ ملے گا“۔

کتاب الخراج میں امام ابو یوسفؒ نے چند الفاظ کے اضافہ کے ساتھ اس قول کو یوں نقل کیا ہے جس سے اس کی افادیت میں مزید اضافہ ہو جاتا ہے:

وَاللَّهِ لَئِنْ بَقِيتُ لَيَأْتِيَنَّ الرَّاعِي بِجَبَلِ صَنْعَاءَ حَظُّهُ مِنْ هَذَا الْمَالِ وَهُوَ مَكَانُهُ قَبْلَ أَنْ يَحْمَرَّ وَجْهُهُ يَعْنِي فِي طَلَبِهِ.[27]

---

[25] ۔ محمد شفیع، اوزانِ شرعیہ، ادارہ المعارف کراچی ص 32۔

Muhammed Shafi, Uzan-e-Sharia, Educational Institution, Karachi, p.32

[26] ۔ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، دارِ صادر بیروت لبنان 1957ء، ج3:، 299۔

Ibn Sa'd, Tabaqat al-Kubra, Dar-i-Sadir, Beirut, Lebanon, 1957, vol.3, 299

[27] ابو یوسف، کتاب الخراج، دار المعرفۃ للطباعۃ والنشر بیروت لبنان، 1399ھ، ص 46

”اللہ کی قسم! اگر میں زندہ رہا تو اس مال میں سے (ہر مسلمان حتیٰ کہ) صنعاء میں بسنے والے چرواہے کو بھی اس کا حصہ اس کی دوڑ دھوپ یعنی اس کی طلب سے قبل اپنی جگہ پر پہنچے گا“۔

حضرت عمرؓ نے روزینے جب مقرر کئے تو شروع میں دودھ پیتے بچوں کو نہ اُن کا روزینہ ملتا اور نہ خوراک جب تک کہ وہ دودھ نہ چھوڑ دیتے۔ اس طرح کئی ایک ماؤں نے وقت سے پہلے اپنے بچوں کو دودھ چھڑانا شروع کر دیا تاکہ ان کا روزینہ مقرر ہو جائے۔ جب حضرت عمرؓ کو اس کا علم ہوا تو انہوں نے یہ اعلان فرمایا:

> أَلا لا تُعْجِلُوا صِبْيَانَكُمْ عَنِ الْفِطَامِ فَإِنَّا نَفْرِضُ لِكُلِّ مَوْلُودٍ فِي الإِسْلامِ.[28]

”خبردار! اپنے بچوں کو دودھ چھڑانے میں جلدی نہ کرو بیشک ہم نے اسلام میں ہر بچہ کا حصہ مقرر کر دیا ہے“۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلامی تعلیمات میں انسانوں کی سماجی فلاح و بہبود اور اقتصادی تحفظ کے حق کو کس قدر اہمیت اور وسعت عطا کی گئی ہے اور اسلامی فلاحی ریاست میں کس طرح اس حق کو عملی طور پر نافذ کر کے رہتی دُنیا کے لئے ایک مثال بنا کر پیش کیا گیا ہے۔

مزید بر آں اسلامی ریاست کی اس فلاحی نوعیت کے بارے میں اتفاق پایا جاتا ہے۔ مسلمان فقہاء اس بارے میں متفق ہیں کہ لوگوں کی فلاح کا حصول اور ان کو ان کی مشکلات سے نجات دلانا چونکہ شریعت کا بنیادی مقصد ہے اسی وجہ سے اسلامی ریاست کا بھی یہ بنیادی مقصد ہے۔[29]

Abu Yusuf, Kitab al-Kharaj, Dar al-Marafah for printing and publishing, Beirut, Lebanon, 1399 AH, p.46.

[28] ۔ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، دارِ صادر بیروت لبنان 1957ء 3:305۔

Ibn Sa'd, Tabaqat al-Kubra, Dar-i-Sadir, Beirut, Lebanon, 1957, 305:3.

[29] محمد ابوزہرہ، اصول الفقہ، دار الفکر العربی، دمشق 1957ء ص 355۔

Muhammad Abu Zahra, Usul al-Fiqh, Dar al-Fikr al-Arabi, Damascus 1957, p. 355.

یہی وجہ ہے کہ اسلامی ریاست میں تاریخ کے ہر دور میں فلاحِ عامہ کا حصول اس کا مطمع نظر رہا ہے۔ حکمرانوں کے تغافل و تساہل کی صورت میں علماءِ حق ان کی توجہ اس عظیم مقصد کی طرف مبذول کراتے رہے ہیں۔

حاصلِ بحث:(Conclusion)

اسلام سماجی بہبود کے لئے ایک جامع اور وسیع اصطلاح فلاح متعارف کرواتا ہے۔ اسلام کا تصورِ فلاح معاشرے میں کام چوری، کاہلی اور نکمے پن کا خاتمہ کر کے حرکت و عمل کو فروغ دینے میں اہم کردار ادا کرتا ہے۔ اسلام میں خاندانی کفالت اور وراثت کے احکامات خاندان کے ادارے کو استحکام بخشتے ہیں۔ مستحکم خاندان مستحکم معاشرے کا ذریعہ بنتا ہے۔

اسلامی معاشرے میں ہمسائیگی کے حقوق کی حیثیت صرف اخلاقی حقوق تک محدود نہیں ہے بلکہ مالی حقوق بھی اس میں شامل ہیں۔ کفالت کا دائرہ باہم مربوط انداز میں پھیلانے کے لئے ہمسائیگی کو وسعت دیتے ہوئے یہ سلسلہ بستی، شہر یا علاقہ کے اربابِ دولت کو ضرورت مند افراد کی کفالت کا ذمہ دار ٹھہراتا ہے۔

اسلام کی فلاحی تعلیمات کو صرف انفرادی اور اجتماعی وجدان کے رحم و کرم پر نہیں چھوڑا گیا ہے بلکہ اسلامی حکومت ان کے نفاذ کی ذمہ دار ہے چنانچہ عہدِ رسالت اور خلفائے راشدین کے عہد میں ان کے نفاذ کو ممکن بنایا گیا فلاح شریعت کا بنیادی مقصد ہونے کی وجہ سے اسلامی ریاست کا بھی بنیادی مقصد ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلامی ریاست کی فلاحی نوعیت کے بارے میں مسلمان فقہاء میں اتفاق نظر آتا ہے۔